بانی: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ
قدس اللّٰہُ سِرّہُ السّعید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری
جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلس ادارت
سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

اگست 2015ء/ شوال المکرّم 1436ھ

جلد نمبر 7، شمارہ نمبر 8 - قیمت: 20 روپے

سالانہ ممبرشپ: 200 روپے - تین سالہ ممبرشپ: 500 روپے

فہرست مضامین

- قرآن کا نظریۂ آزادی
- وطن سے محبت ؛ انسان کا فطری تقاضا
- جشنِ آزادی کے موقع پر لمحۂ فکریہ
- آئی ایم ایف کی بڑھک
- مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت
- بعثتِ نبوی؛ مقاصد واہداف
- مسلمان جماعت؛ شرائط واہداف
- موجودہ زوال کے اسباب
- زوال سے نکلنے کا راستہ
- سب سے بہتر وہ ہے، جس سے دوسروں کا بھلا ہو
- خواتین کو خطاب
- اکابر کی باطنی امراض کے علاج میں مہارت
- شاہ رفیع الدین دہلویؒ
- حضرت آزاد رائے پوری کا دورۂ فیصل آباد
- حضرت رائے پوری رابعؒ؛ ایک تاریخ ساز شخصیت
- نہ تم ملتے تو کیا ہوتا؟
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی
خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا کہ:

''مشکل باتیں (کرنا) اور (رَسمی) جدوجہد (کرنا) مجاہدہ نہیں۔ مجاہدہ تو دراصل نفس کے خلاف کرنے کو کہتے ہیں، مثلاً کسی بزرگ کی جدوجہد سے خدمت کرنا آسان، بلکہ بعض اوقات نفسانیت (سے) ہوتا ہے، مگر اس سے تھوڑی محنت مشقت کا کام جس میں نفس کے خلاف کرنا عار سمجھتا ہو، مجاہدہ ہوگا۔''

(مجلس 8/ذی الحجہ 1365ھ/3/نومبر 1946ء۔ مقام: رائپور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:213۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

کراچی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، A.16 موریہ خان سوسائٹی، عقب سٹار گیٹ
نزد ائیر پورٹ، شاہراہ فیصل، کراچی
0092-021-34600000 , 021-34600001

راولپنڈی کیمپس
رحیمیہ ہاؤس، N.A-7، سعید پتھر روڈ
سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
0092-51-4581357-58

ملتان کیمپس
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سکھر کیمپس
فلیٹ نمبر 1st, 111 فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ

قرآن کا نظریۂ آزادی

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ۝

(اے لوگو! بندگی کرو اپنے ربّ کی، جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔) (21:2)

اس آیت میں قرآن حکیم کا پروگرام ذکر کیا گیا ہے اور باقی قرآن حکیم اس پروگرام کی تفصیل ہے۔ لوگوں نے طرح طرح کے ڈورے ڈال کر نوعِ انسانی کو غلام بنانے اور اس کی عقل کو کج فہم بنانے کے لیے تجویزیں سوچ رکھی ہیں۔ کہیں تو اس کا نام ''طرزِ حکومت'' رکھا اور کہیں اس کا نام ''وطنیت'' رکھا اور کہیں اس کا نام (رسمی) ''مذہب'' رکھا۔ غرض! انسان کے سوچنے کے تمام راستے بند کر دیے۔

اب قرآن حکیم نوعِ انسانی کو آزاد کرانا چاہتا ہے۔ جب انسان خدا کو بھول کر راستہ ڈھونڈنا چاہتا ہے تو خسارے میں پڑ جاتا ہے۔ قرآن حکیم کی سب سے پہلے یہ تعلیم ہے کہ ''اے انسانو! تم خدا کے بندے اور غلام بن جاؤ۔'' اپنے اوپر کسی انسان یا فرشتے کو حاکم مت بناؤ۔ اور ربّ اور خالق فقط ایک خدا ہے۔ جیسا کہ انسانی فطرت اس کی گواہ ہے۔ پرورش کرنے والا وہ ایک خالق ہے۔ دوسروں کے دست نگر مت بنو۔

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ جب تم کو اس نے پیدا کیا تو تمھاری پرورش کا سامان وہی کرے گا۔ جیسا کہ فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مکالمے کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۝ (50:20) (کہا: رب ہمارا وہ ہے، جس نے دی ہر چیز کو اس کی صورت، پھر راہ سجھائی۔)

وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (ان کو بھی پیدا کیا، جو تم سے پہلے تھے۔)

قبل زمانی ہو یا رُتبی ہو، سب کو اللہ نے پیدا کیا اور اس کی پرورش کرنے والا وہی قدوسِ بے ہمتا ہے، تو دولت مندوں کو اپنا پرورش کرنے والا مت بناؤ۔ نہ کسی ولی، مرشد کو اپنا ربّ سمجھو۔ تم اس بات میں ان سے کم نہیں ہو۔ اور کسی زندہ یا مردہ پھندے میں مت پھنسو۔ تم کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے، آزاد رہو۔

جب انسان کسی سوسائٹی میں اور مجمع میں داخل ہوتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سوسائٹی کے نظام میں میرا رُتبہ مساوی ہونا چاہیے۔ نہ یہ کہ دولت مندوں اور بڑے آدمیوں کی بات سنی جائے اور میرے نظریے کی کوئی وقعت نہ ہو تو انسان کی اس خواہش کو اگر نہ مانا جائے تو انسان اس سوسائٹی سے بغاوت پر آمادہ ہو جاتا ہے اور سوسائٹی کی بربادی اس سے ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کی آزادیٔ رائے کا حق ماننا یہ پہلا زینہ اصلاح اور ترقی کا ہے۔ احسن نظام تب قائم ہوتا ہے، جب آزادیٔ رائے کا حق دیا جاتا ہے۔ اگر کسی کی رائے غلط ہو تو اس کو سمجھانا چاہیے نہ کہ دبا دینا چاہیے۔ اب آزادیٔ رائے مساوات سے پیدا ہوتی ہے تو اس کا ذریعہ یہ ہے کہ تم اللہ سبحانہٗ کے غلام بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی دوسرے کو اپنے اوپر حاکم مت بناؤ۔ تو اس سے تقویٰ پر پہنچ جاؤ گے۔ (تفسیر المقام المحمود۔ ص:218)

درسِ حدیث

تشریح: حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ

وطن سے محبت ؛ انسان کا فطری تقاضا

عن عبداللّٰہ بن عدیّ رضی اللّٰہ عنہٗ قال: رأیتُ رسولَ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم واقفاً علی الحَزْوَرۃ. فقال: ''و اللّٰہِ إنّک لخیر أرض اللّٰہ و أحبّ أرض اللّٰہ إلی اللّٰہ. و لو لا انّی اُخرجتُ منک ما خرجتُ.''

(عبداللہ بن عدی رضی اللہ عنہٗ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حزورہ (مکے کے ایک بازار) میں کھڑے ہوئے دیکھا۔ فرمایا: ''اللہ کی قسم بلاشبہ تُو اللہ کی بہترین زمین ہے اور اللہ کی سب زمینوں میں پسندیدہ زمین ہے۔ اور اگر میں تجھ سے نہ نکالا جاتا تو نہ نکلتا۔) (سنن ترمذی. باب فضل مکہ)

انسان کا اپنے ملک یا اپنے آباؤ اجداد کی سرزمین سے محبت کرنے کا نام ''وطنیت'' ہے۔ ہم اپنے وطن سے اس لیے محبت کرتے ہیں کہ اس کے اور ہمارے درمیان بہت مضبوط تعلقات ہیں۔ ہم نے اس کی فضا اور اس کے ماحول میں تربیت پائی ہے اور ہمارا اور اس کا ایسا تعلق ہے، جیسا کہ درخت کی شاخوں کا درخت کے ساتھ۔ اسی کی آب و ہوا اور اسی کی مٹی میں قدرت نے ہماری تخلیق کی ہے۔ ہم اُس جگہ کے طرزِ بود و ماند سے متاثر ہوتے اور اسی کی طرف جھکتے ہیں اور وہاں کا عرف ہماری طبیعت بن جاتا ہے۔ جب ہم اس سے جدا ہوتے ہیں تو رنج و تکلیف محسوس کرتے اور اس کی یاد ہمارے غم کو تازہ کر دیتی ہے۔ اور جب ہم کو جدائی کے حالات سے نجات ملتی ہے تو ہمارا میلانِ طبع فوراً اسی جانب ہوتا ہے۔ ہم اس کی قربت سے ہمیشہ مانوس رہتے اور اس کی عزت کو اپنی عزت اور اس کی ذلت کو اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔

حُبِّ وطن کا یہ جذبہ ان نفوسِ قدسیہ میں جھلکتا نظر آتا ہے، جن کی حیاتِ طیبہ کا مقصد عظمیٰ کسی خاص سرزمین اور خاص ملک و قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ وہ تمام کائناتِ انسانی کے ساتھ یکساں تعلقِ فلاح و خیر رکھتے ہیں۔ چناں چہ ہجرتِ نبویؐ کی تاریخ شاہد ہے کہ جس وقت نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرماتے ہیں تو بار بار مکہ کی جانب دیکھتے اور یہ فرماتے جاتے ہیں کہ ''اے مکہ! میں تجھ کو ہرگز نہ چھوڑتا اگر میری قوم مجھ کو نکلنے پر مجبور نہ کرتی۔'' اسی طرح سرزمین مدینہ میں علالتِ طبع کے وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ کا فراقِ وطن پر رنج کا اظہار کرنا اور شوقِ وطن کے لیے بار بار اشعار پڑھنا محبتِ وطن کے لیے روشن دلیل ہے۔

حُبِّ وطن کا یہ جذبہ اسی حد تک لائقِ تحسین ہے کہ اخوتِ انسانی سے متصادم نہ ہو، ورنہ قابلِ لعنت ہے۔ چناں چہ ادیانِ سماوی، خصوصاً اسلام میں اس جذبے کو ایک لمحے کے لیے بھی حدِ اعتدال سے آگے نہیں بڑھنے دیا اور اس کو اخوتِ عام کے تابع رکھ کر اس کے مفاسد کا انسداد کرنا ضروری سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام وطنیت کے متعلق جذبۂ حُبِّ وطن کو تو پسند کرتا ہے، لیکن وطنیت کے اُس نظریے کا جو یورپ کے دماغی اختراع کا نتیجہ ہے، سخت مخالف ہے۔ (تلخیص از اَخلاق اور فلسفۂ اَخلاق۔ ص:223 تا 325)

اداریہ

جشنِ آزادی کے موقع پر لمحۂ فکریہ

اس خطے کی تاریخ میں بیس ویں صدی کا وسط بہت ہی اہم ہے، جس میں دنیا کے نقشے پر بہت اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد جب برطانوی سامراج کا سورج غروب ہو رہا تھا تو اُس نے جاتے جاتے بہت سے خطوں کی وحدتوں کو پارہ پارہ کیا۔ برطانوی سامراج کے زوال اور ہندوستان سے اُس کے اخراج میں عالمی حالات کے ساتھ ساتھ اس خطے کی تحریکاتِ آزادی کا بنیادی کردار رہا ہے۔

14/اور 15/اگست 1947ء کی درمیانی شب رات 12 بجے دنیا کے نقشے پر ایک نئی مملکت پاکستان کے نام سے وجود پذیر ہوئی۔ قیام پاکستان کے گیارہ ماہ بعد 9/جولائی 1948ء کو حکومتِ پاکستان نے یادگاری ٹکٹ جاری کیا، جس پر پاکستان کا یومِ آزادی 15/اگست 1947ء قرار دیا گیا، لیکن بعد میں 14/اگست کو ہی یومِ آزادی ٹھہرالیا گیا۔ قوم جشن آزادی 14/اگست کو منائے یا 15/اگست کو، اس کے درمیانی وقفے میں کچھ گھنٹے لمحۂ فکریہ کے طور پر بھی گزارے جائیں کہ 68 سال گزر جانے کے باوجود بھی ہم آزادی کے ثمرات سے فیض یاب کیوں نہ ہو پائے۔

اب سب سے اہم سوال قوم کے سامنے یہ ہونا چاہیے کہ وہ کون سے محرکات اور عوامل ہیں، جو پاکستانی قوم کو آزادی کے اثرات و نتائج سے محروم رکھے ہوئے ہیں؟ بڑی سادہ سی بات ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک معاشرے کا ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے، جس میں دیکھا جائے کہ اس ملک کے وجود میں آنے کے بعد کن طبقوں نے حکومت و اقتدار سے مالی اور مادی فوائد حاصل کیے، ان کی دولت و ثروت اور مال و جائیداد میں دن دوگنی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ اور وہ کون سے طبقے ہیں، جو ریاست و اقتدار کے مالک بااختیار طبقوں کے مقابلے میں بڑی تیزی سے غربت و افلاس، جہالت، تنگ دستی اور خوف ناک امراض کا شکار ہو کر موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

پاکستان دنیا کا وہ واحد ملک ہے، جہاں سیاست دانوں کے کاروبار ترقی کے ریکارڈ قائم کر چکے ہیں اور سرمایہ دار دنیا میں اُن کے کاروبار کی تیز رفتار ترقی کو مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ان کے کاروبار نہ صرف پاکستان میں ہیں، بلکہ دنیا بھر کے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ غریب ملک کے حکمران طبقے اور سیاست دان اربوں روپے غیر ملکی بینکوں میں منتقل کر چکے ہیں۔ اس ملک میں وہ حکمرانی کرتے ہیں اور نام نہاد سیاست کا دم بھرتے اور ذاتی کاروبار چمکاتے ہیں، ورنہ اُن کی اولادوں کی تعلیم و تربیت اور مستقبل کے رہائشی منصوبوں کی پلاننگ بیرونِ ملک کے لیے ہی کی جاتی ہے۔

یہاں آٹا، گھی، چینی، بجلی، گیس، پولٹری، ڈیری، سٹیل، پراپرٹی اور ٹرانسپورٹ ایسے بنیادی ضروریات کے حامل شعبوں پر سیاست دان ہی قابض ہیں۔ اس ملک کی سیاسی لیڈرشپ اس حد تک اقتصادی پالیسیوں پر اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ چند ہزار اور چند لاکھ کا فائدہ اٹھانے کے لیے کروڑوں روپے کا بوجھ عوام کی طرف منتقل کر دیتی ہے۔

اس ملک کے سیاست دان، مشیر اور وزیر، سینٹ اور اسمبلی کے اراکین، سول اور ملٹری بیوروکریسی، طاقت ور صنعت کار اور سٹاک ایکسچینج کے سٹے باز ایسے مضبوط رشتوں میں بندھے ہوئے ہیں کہ حکومت و اقتدار کی ہر سہولت ان کے خوانِ نعمت کا حصہ ہوتی ہے۔ پاکستان میں اس وقت تقریباً 80 شوگر ملیں ہیں اور ان میں سے 60 سے زیادہ سیاست دانوں، ان کے بھانجوں، بھتیجوں، دامادوں اور قریبی رشتے داروں کی ملکیت ہیں۔ اس ملک کے شریف حکمران، چوہدری سیاست دان، ایک سابق صدر اور ایک دینی جماعت کے سربراہ یہ لوگ معمولی مالی حیثیت اور چھوٹے درجے کے کاروباروں کے مالک تھے، لیکن دورانِ اقتدار نہ صرف ان کے کاروبار بڑھے، بلکہ ان کے من پسند افراد، ان کے خاندان بھی غیر معمولی مالی ترقی کر گئے۔ دو بڑی نام نہاد سیاسی پارٹیاں باری باری اقتدار کی مسند پر کئی بار قبضہ جما چکی ہیں۔ ان کے جمہوری ادوار میں کرپشن کے عالمی ریکارڈ قائم ہوئے۔ ان میں موجود اشرافیہ مل بانٹ کر کھانے کے عمل کو مفاہمت کا نام دے کر کئی سال سے قوم کو دھوکا دے رہی ہے۔ اب یہی اشرافیہ ایک نئی ابھرتی سیاسی قوت کے ساتھ تال میل بڑھا کر ایک نئے راستے سے پھر اقتدار پر قابض ہونا چاہتی ہے۔ گزشتہ سال اگست کے مہینے میں ہی اسلام آباد کے دھرنوں میں انھوں نے قوم کو بہت سے سبز باغ دکھائے تھے۔ جو محض احمقوں کی جنت اور دیوانوں کے خواب ثابت ہوئے۔

پاکستان میں پچھلی چار دہائیوں میں کمائی جانے والی دولت میں سے تقریباً 80 فی صد سیاسی اثر و رسوخ، اختیارات کے ناجائز استعمال اور غیر قانونی طریقوں سے کمائی گئی دولت ہے۔ جس کے 75 فی صد حصے کے مالک سیاست دان اور بیوروکریٹ ہیں۔ ہماری سڑکوں پر دوڑتی مہنگی گاڑیاں، دن بدن تعمیر ہوتے شاپنگ مال، نئی مہنگی رہائشی سکیمیں اور فائیو سٹارز ہوٹلوں کے مالکان بھی یہی حکمران اور سیاسی جماعتوں کے سربراہ ہیں۔ جب کہ اس ملک کا سفید پوش اور غریب طبقہ سیاسی، معاشی، سماجی، قانونی اور تعلیمی طور پر پس ماندہ قوم کے طور پر جانا جاتا ہے۔

پاکستان کے موجودہ نظامِ ظلم میں اسمبلیوں میں موجود ہزار بارہ سو کے قریب سیاسی، مذہبی، علاقائی اور لسانی جماعتوں کے سربراہ اور اُن کے چیلے چانٹے ہی حکمرانی کا مزہ لوٹ رہے ہیں۔ الغرض! پاکستان کی موجودہ سیاست اور حکمرانی کا ڈھانچہ بین الاقوامی استعمار کا قائم کردہ ایک ایسا مفاداتی بندوبست ہے، جس میں ان کی وفادار پارٹیاں اُن کے سرمایہ دارانہ مفادات کے تحفظ کے لیے کام کرتی ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ہم جشنِ آزادی کے اس موقع پر اس بات کا شعور حاصل کریں کہ اس ملک کے استحصالی طبقے اس کی ترقی اور آزادی میں سب سے بڑی رُکاوٹ ہیں۔ کیوں کہ اس اقلیت کا مفاد اور عوام کا مفاد دو متضاد چیزیں بن کر رہ گئی ہیں۔ اگر اس ملک میں اجتماعیت پر مبنی اور استحصال سے پاک کسی نظام کی داغ بیل ڈالنی ہے تو اس طبقے سے نجات ضروری ہے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

عالمی منظر نامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

آئی ایم ایف کی بڑھک
''بھارت ترقی میں چین کو پیچھے چھوڑ دے گا۔''

آئی ایم ایف کے چیف ماہر اقتصادیات اولیور بلانچارڈ نے آئی ایم ایف کے پہلے سروے ''عالمی اقتصادی آؤٹ لک'' کے اِجرا پر اپنا مؤقف' مئی 2015ء کے پہلے ویک میں فنانشل ٹائمز کو انٹرویو دیا ہے۔ جس میں سرمایہ دارانہ نظام کے پھیلاؤ کے حوالے سے بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ: ''بھارت ترقی میں چین کو پیچھے چھوڑ دے گا۔''

دوسری جنگِ عظیم کے بعد تشکیل نو پانے والے دیوہیکل اداروں میں آئی ایم ایف ایک اہم ترین ادارہ تھا۔ اس کا بنیادی مقصد رُکن ملکوں کے روزانہ کے حساب کتاب سے بین الاقوامی منڈی سے کی گئی خریداری پر اٹھنے والے اخراجات (درآمدات) اور عالمی منڈی میں فروخت کی گئی اشیا، خدمات سے حاصل کردہ رقوم (برآمدات) کے درمیانی فرق کو خسارے کی صورت میں مالیاتی معاونت فراہم کرنا تھا۔ اقوامِ متحدہ کا بنیادی تصور برطانوی اور امریکی ماہرین معاشیات لارڈ میز ڈ کینز اور ہیری ڈیکسٹر وائٹ کی مشترکہ کوششوں سے وجود میں آیا تھا۔ انھوں نے ہی دونوں ادارے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کا تصور متعارف کروایا تھا۔ چوں کہ یہ ادارے امریکا کی عالمی بالادستی کو اداراتی تحفظ فراہم کرنے کی حکمت عملی کا حصہ تھے، اس لیے ان اداروں نے ان ملکوں کی تو خوب مالی معاونت کی' جو عالمی سطح پر امریکی پالیسی کا آئینہ دار تھے۔ البتہ وہ ممالک' جن کا کردار کسی حد تک بھی اس سے مختلف تھا، ان کے بارے میں (آئی ایم ایف) المعروف ''عالمی فنڈ'' کا کردار بڑا مختلف رہا۔ ان ملکوں کے خلاف اقتصادی پابندیاں عائد کی گئیں۔ ان کا معاشی بائیکاٹ کیا گیا۔ ان کی مصنوعات کو عالمی منڈی میں فروخت کے لیے کئی قسم کی روکاوٹوں کا سامنا تھا۔

''لیگ آف نیشن'' کی جگہ جنگِ عظیم دوم کے بعد سرمایہ دار ملکوں کی نئی عالمی تنظیم کے طور پر ''اقوامِ متحدہ'' کا ادارہ سامنے آیا تھا۔ اس کے چارٹر اور رُکن ممالک کے معاشی تصورات' زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے نظریے پر مبنی تھے۔ دنیا میں اس کی تمام تر حکمتِ عملیاں اسی کے حصول کی ادارہ جاتی تشکیلات کے طور پر رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رُکن ملکوں میں قائم ہونے والی کمپنیاں اور ان کی ساخت اسی بنیادی تصور کی آئینہ دار ہیں۔ ان کمپنیوں نے جو بھی سرمایہ کاری کی' اس کے نتیجے میں دولت معاشرے کے تمام طبقوں میں گردش کرنے کی بجائے' محض انھی چند مقتدر خاندانوں میں محدود ہو کر رہ گئی۔

ہوا یوں کہ دولت پیدا تو اجتماعیت کے اصول، یعنی اداراتی تشکیل کے ذریعے سے ہوئی' لیکن اس کی تقسیم انفرادیت کے مفاد کے تحت کی گئی۔ گویا اگر یہ تقسیم بھی اجتماعیت کے مفاد کے تحت ہوئی ہوتی تو دولت سمٹنے کی بجائے معاشرے میں پھیلاؤ اور بحیثیتِ مجموعی ترقی کا سبب بنتی۔ جس کے نتیجے میں معاشی سرگرمیوں کے لیے مزید مہمیز کا کام کرتی۔ روپیہ پیسہ انفرادی تجوریوں کی زینت بننے کی بجائے عام لوگوں کی صلاحیت کو بروئے کار لانے کا باعث بنتا۔ عمومی خوش حالی وجود میں آتی۔ ایک متوازن قومی اقتصادی ڈھانچہ اور پھر انھی پر مشتمل عالمی اقتصادی متوازن سماج دنیا کا مقدر بنتا۔

سرمایہ دارانہ سماج کی تاریخ گواہ ہے کہ اپنی ابتدا، یعنی 1790ء سے اب تک یہ دنیا میں 47 معاشی بحرانوں کا سامنا کر چکا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد 1945ء میں اقوامِ متحدہ بنی' جس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ آئندہ اس قسم کے بحرانوں کا تدارک کیا جائے گا، لیکن اس کے باوجود 1970ء کا اقتصادی معاشی بحران اتنا گہرا تھا کہ اس کے اثرات کو زائل کرنے میں بھی دس سے پندرہ سال کا عرصہ لگ گیا۔ پھر 2008ء کا مارگیج (رہن) بحران' جس نے سینکڑوں سالوں پر محیط اداروں کو زمین بوس کر دیا۔

اس کے مقابلے میں جدید چین میں بننے والی کمپنیاں ریاست کے باقاعدہ پروگرام کے تحت ہی وجود میں آئی ہیں۔ ریاستی بینک ہی انھیں مالیات فراہم کرتے ہیں۔ آج دنیا کے تمام بڑے ملکوں میں اس کا تنظیمی ڈھانچہ قائم ہو چکا ہے۔ انھوں نے تمام شعبوں میں سرمایہ کاری کر رکھی ہے۔ یہ تمام کمپنیوں کی اجتماعی کاوشوں کا ہی نتیجہ ہے کہ چین کے زرِمبادلہ کے ذخائر 4 کھرب امریکی ڈالر سے تجاوز کر چکے ہیں۔ پھر یہ ذخائر محض چینی بینکوں کی ہی زینت نہیں بنتے، بلکہ چینی حکومت ان وسائل کو خرچ کر کے اقوامِ عالم میں ایک انفراسٹرکچر' یعنی ریل، روڈ، گیس، پٹرول، پانی، ایندھن وغیرہ تعمیر کرنے جا رہی ہے۔ جس سے یقیناً چینی حکومت کو بہت فائدہ ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ممالک' جن میں سے یہ انفراسٹرکچر گزرے گا، اس کے عوام کو بھی بے پناہ فائدہ پہنچے گا۔ کیوں کہ سڑک کی تعمیر کے پیچھے یہ اصول کارفرما ہے کہ وہ جن جن علاقوں کو ملاتی ہے' معاشی سرگرمیوں کے فروغ کا سامان پیدا کرتی جاتی ہے۔ ملحقہ علاقوں میں موجود وسائل کی دریافت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ گویا سڑک بیداری کا دوسرا نام ہے۔

چین نے اس مقصد کے لیے ایک بینک AIIB (ایشین انفراسٹرکچر انویسٹمنٹ بینک) 62 بلین امریکی ڈالر سے قائم کیا ہے۔ آج دنیا کے 38 سے زائد ممالک اس بینک کے رُکن بن چکے ہیں۔ گویا چینی معیشت کی تشکیل کا فارمولا ایسا ہے، جس میں ''وسائل کا پھیلاؤ اور محنت کشوں کی زیادہ سے زیادہ کھپت'' کا اصول کارفرما ہے۔ جب کہ سرمایہ دارانہ نظام کی اساس پر یورپی معیشت کی ساخت یہ ہے کہ جس میں ''وسائل کا ارتکاز اور سرمایہ کاری محض زیادہ سے زیادہ انفرادی منافع کے نقطہ نظر کے تحت'' ہوتی ہے، اس یورپین ساخت کی دنیا سینکڑوں برسوں سے سزا بھگت رہی ہے۔

اس تناظر میں آئی ایم ایف کے چیف سرمایہ داری نظام کے پھیلاؤ کے حوالے سے جو کچھ کہہ رہے ہیں، اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

مجالس ؛ افاداتِ علم وحکمت

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے قیام سے ہی یہ روایت موجود رہی ہے کہ نمازِ جمعہ کے بعد حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ کے ساتھ احباب کی استفادہ نشست ہوتی ہے۔ جنوری 2015ء کے شمارے سے ان افادات کو شائع کر کے ہم مجلّہ رحیمیہ کے تمام قارئین کو اس استفادہ نشست میں شامل کر رہے ہیں۔ اس مجلس کی ریکارڈنگ اور جمع وترتیب کے فرائض جناب قاری عبدالرشید نے انجام دیے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اس سلسلے میں ادارہ کو اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ (مدیر)

مجلس نمبر 2/4-26 دسمبر 2014ء - مقام: ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور

سوال: موجودہ ماحول میں اگر کوئی شخص اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے تو اُس کی حوصلہ افزائی کی بجائے اُسے دبا دیا جاتا ہے۔ اُسے اپنی صلاحیتوں کے مطابق آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ اس کا کیا حل ہے؟

حضرت اقدس: اس پر غور کرنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کا سبب آپ پر مسلط وہ نظام ہے، جو غلامی کے زمانے میں یہاں پر قائم کیا گیا۔ غلامی کا یہ سسٹم کسی اچھی صلاحیت والے آدمی کو آگے پروموٹ نہیں کرتا یا پروموٹ ہونے نہیں دیتا۔ پھر افسوس ناک صورتِ حال یہ ہے کہ اس کے خلاف کوئی مزاحمتی شعور یا تحریک بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھیں! یونیورسٹیز یا تعلیمی اداروں میں نام نہاد اسلامی تنظیمیں کچھ جزوی مسائل کو بنیاد بنا کر فوری اشتعال کی حالت میں احتجاج پر اُتر آتی ہیں، لیکن اگر کسی نااہل آدمی کو پروموٹ کیا جاتا ہے تو اُس پر کوئی احتجاج نہیں ہوتا، بلکہ لوگ تماشائی بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم انفرادی مسائل اور نان ایشوز پر تو تحریکیں کھڑی کرتے ہیں، لیکن اُس کے مقابلے میں قومی اُمور، اجتماعی معاملات اور انسانی حقوق کی پامالی پر کسی تحریک یا احتجاج کی بنیاد رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

بھائی! جو انسانی حقوق سے متعلق اُمور ہیں، اُن پر debate اور لیکچرز ہونے چاہئیں۔ اس حوالے سے تو یہاں کچھ بھی نہیں۔ اس کو تو ہمارا مذہبی طبقہ ''دنیا'' کہہ کر چھوڑ دیتا ہے۔ ہمارا مذہبی طبقہ مسجد اور مدرسے سے تب باہر نکلتا ہے، جب مدرسے اور مسجد میں اُس کے مفاد کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ انسانی حقوق کی کوئی بات ہو تو خاموشی سادھ لیتا ہے۔ یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ یورپ نے ترقی کی ہے، کیا خیال ہے پہلے سے وہاں یہ سسٹم موجود تھا جس کی بنیاد پر انھوں نے ترقی کی ہے؟ نہیں! بلکہ وہاں ایک ایک بندے نے اپنے حقوق کے حصول کے لیے مل کر احتجاجی تحریکیں چلائیں اور اپنے مطالبات پیش کیے۔ اس حوالے سے لوگوں میں آگہی (awareness) پیدا کی۔ اُس کے لیے اپنی جانیں قربان کیں۔ تب جا کر کامیابی ملی۔ جسے آج ہم جمہوریت، لبرٹی، آزادی، مختلف عنوانات سے تعبیر کرتے ہیں۔ حال آں کہ وہاں کا رجعت پسند طبقہ یعنی جاگیردار، سرمایہ دار اور پوپ بھی اسی طرح انسانی حقوق کا دشمن تھا۔ اب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں بیٹھے بٹھائے از خود سب کچھ حکومت دے اور ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے۔ ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

ہمارے یہاں کے لوگ صرف مذہب یا سیاست کے نام پر اپنے مادی و مالی مفادات کا تحفظ تو کرتے ہیں، لیکن دین کے غلبے کے لیے جدوجہد اور قربانی کے لیے تیار نہیں۔ حال آں کہ نبی اکرمؐ کی جماعت جو کہ دین کے غالب کرنے اور انسانی حقوق کے حصول کے لیے ایک بہتر عادلانہ نظام بنانے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آئی تھی، انھوں نے موت قبول کرنا منظور کر لیا تھا۔ تب کامیابی ہوئی۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر انھوں نے آپؐ کے ہاتھ پر موت کی بیعت کی کہ ہمیں اپنے کاز کے لیے اگر موت بھی آجائے تو ہم اُسے قبول کر لیں گے اور ہماری کیا حالت ہے؟ منافقین کے بارے میں قرآن کہتا ہے: قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ الخ (8:62) الآیہ۔

یہ موت تو تمھارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ جتنا مرضی تم اس سے بھاگو۔

اب ایک آدمی فوج کے ڈسپلن میں جاتا ہے۔ گویا کہ وہ موت قبول کرنے کا عزم لے کر جاتا ہے۔ اُسے جہاں مرضی اٹھا کر ذمہ داری دے دو، اُس کو ہر حال میں جانا ہے۔ چوں کہ وہ موت کو قبول کرنے کے عزم سے فوج میں بھرتی ہوا ہے۔ مقصد اُس کا موت نہیں ہوتا۔ مقصد تو کامیابی اور فتح ہوتی ہے، لیکن اگر موت آجائے تو اُسے اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ اُس سے دریغ نہیں کرتا اور نہ ہی پشت پھیر کر بھاگتا ہے۔

ہم انسانی حقوق کے تحفظ اور اس کے نظام کے قیام کے لیے بلند ہمتی کے ساتھ جدوجہد کرنے کے لیے کیوں تیار نہیں ہیں؟ حقوقِ انسانی کا تحفظ کرنے اور ایک مستحکم سیاسی نظام کے قائم کرنے کے لیے موت بھی آجائے تو قبول کرنے کے لیے کیوں تیار نہیں ہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ: مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ''بذل السلام للعالم''، یعنی مسلمان امن کے قیام کے لیے اپنی جان خرچ کرنے کے لیے بھی تیار رہتا ہے، لیکن آج کیا ہے؟ ہم بدامنی قائم کرنے کے لیے جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں؟! امن قائم کرنے کے لیے ہمارا مقصدِ زندگی کیوں نہیں ہے؟

جنگ کسی بھی سیاسی نظام کا حصہ ہوتی ہے۔ جب 1920ء کے بعد ہمارا قومی اور بین الاقوامی سیاسی نظام ہی سِرے سے نہ رہا تو پھر جو بھی جنگ ہوگی، اس کا فائدہ اُس سیاسی نظام کو ہوگا، جو اس وقت دنیا پر مسلط ہے۔ چناں چہ آج کی پُرتشدد جنگیں دراصل عالمی سامراجی نظام کے ایما پر لڑی جاتی ہیں۔ کسی سوسائٹی میں امن کے قیام اور انسانی حقوق کو قائم کرنے کے لیے نہیں لڑی جاتیں۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

افادات: حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
جانشین حضرت رائے پوری رابعؒ و مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ نے 7/ مارچ 2014ء/ 5/ جمادی الاوّل 1435ھ کو جامعہ عثمانیہ مکی مسجد جھنگ صدر میں نمازِ جمعہ کے شرکا سے خطاب کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا ۙ یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۝ (33:71-70) کے تناظر میں مندرجہ ذیل ارشادات فرمائے:

بعثتِ نبوی؛ مقاصد و اہداف

اللہ تعالیٰ کو انسانیت بہت محبوب ہے۔ انسانیت کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے انبیا علیہم السلام کا سلسلہ اللہ نے قائم فرمایا ہے۔ نبوت کے اس سلسلے کی تکمیل امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہوتی ہے۔ آپؐ پوری انسانیت کے مسائل حل کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے۔ انسانیت کی مجموعی ترقی اور فلاح و بہبود، آپؐ کی ذاتِ گرامی کا بنیادی ہدف ہے۔

دنیا میں انسانیت کی ترقی کے لیے بہت سے مصلحین آئے۔ بہت سے انبیاؑ آئے، لیکن اُن کا ہدف کوئی ایک قوم، ایک نسل یا ایک علاقے کے انسان رہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تمام اقوامِ عالم اور تمام انسانیت کی طرف ہے۔ خود حضور اقدسؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: ''بعثتُ إلی النّاس کافّة'' کہ ''میری بعثت تمام انسانیت کی طرف ہوئی ہے۔ مجھ سے پہلے تمام انبیاؑ اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے۔'' اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اقدسؐ نے کل انسانیت کی فلاح و بہبود کا ایک عالم گیر نظام قائم کیا ہے۔ اس عالم گیر، انسانیت دوست سسٹم کے قائم کرنے کے لیے آپؐ نے جس جماعت کو تیار کیا، وہ جماعتِ صحابہؓ ہے۔ مسلمان ایک جماعت ہے، جو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے نبی اکرمؐ کے مقاصد و اہداف کی تکمیل کرتی ہے۔ مسلمان ایک فرقہ اور گروہ یا ایک طبقہ نہیں۔ ایک نسلی اجتماعیت نہیں۔ یہ تمام انسانوں کے لیے ہے اور انسانوں میں سے جو لوگ آپؐ کے لائے ہوئے دین، فکر اور نظریے کے ساتھ وابستگی کا اعلان کریں، اپنے آپ کو اس کے سپرد کریں، وہ مسلمان ہیں۔ امن اور سلامتی اسلام کا ہدف ہے۔ اسلام کا یہ ہدف ایک مسلمان جماعت کے ذریعے سے پایۂ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ اس جماعت کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں، دنیا بھر کی تمام اقوام کو کامیاب بنانے کے لیے ایک صحیح نظریہ، سوچ اور فکر اپنے اندر رکھے۔ اور اس نظریے کو عمل میں لانے کے لیے درست حکمتِ عملی اختیار کرے۔ ایسا فکر و عمل اُس کے پیشِ نظر ہو کہ اُسے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب کل انسانیت کو دنیا و آخرت میں کامیاب بنانے کے لیے کردار ادا کرنا ہے۔

مسلمان جماعت؛ شرائط و اہداف

قرآن حکیم نے واضح کر دیا ہے کہ اے ایمان والو! اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو اور اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو، تو تمھاری یہ ذمہ داری ہے کہ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (59:4) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہؐ کی اطاعت کرو۔ رسول اللہؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس دور میں اللہ تک پہنچنے کے وہ تمام راستے غلط ہیں، جو رسول اللہؐ کے بغیر ہوں۔ جب تک کوئی رسول اللہؐ کو نہ مانے، وہ اللہ کی اطاعت اور محبت کا دم بھرنے والا نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہؐ کو ماننے کا مطلب اس فکر و عمل کو اپنانا ہے، جس کی نشان دہی آپؐ نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے حوالے سے کی ہے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: میرے بعد بہت سی جماعتیں ہوں گی، بہت سے گروہ بظاہر اسلام کے دعوے دار ہوں گے، لیکن صرف وہ جماعت مسلمان قرار پائے گی اور اگلے دور کے لیے کردار ادا کرے گی کہ جو ''ما انا علیه و اصحابی'' یعنی جو اُس فکر و عمل پر ہو، جو میرا اور میرے صحابہؓ کا ہے۔ جو اس کے مطابق کام کرے گی، وہ جماعت سچی ہے۔ وہ جماعت درست ہے۔ اور جو اس کے مطابق کام نہیں کرے گی، اس کا اسلام سے رسمی تعلق ہے۔

آپؐ اور آپؐ کی جماعت کا کام کیا ہے؟ آج اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے سامنے بہت سی جماعتوں، گروہوں، پارٹیوں، بہت سے لیڈروں اور رہنماؤں کا تذکرہ ملتا ہے، جماعتوں پر بحث ہوتی ہے۔ فرقے اور گروہ ہیں۔ ایسے فرقہ وارانہ ماحول میں اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ اس فکر و عمل کو سمجھا جائے، جس پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی جماعتِ صحابہؓ نے کردار ادا کیا۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ اور جماعتِ صحابہؓ کی اجتماعیت نے دنیا میں تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا ایک عالم گیر انقلاب برپا کیا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جسے دنیا کا کوئی ذی ہوش انسان انکار نہیں کر سکتا۔ 570 عیسوی میں حضور اقدسؐ دنیا میں تشریف لائے۔ 610 عیسوی میں چالیس سال کی عمر میں آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو ابوجہل کا نظام قائم تھا۔ اور 633 عیسوی میں جب آپؐ دنیا سے تشریف لے گئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کل انسانیت کی فلاح و بہبود پر مبنی عدل و انصاف اور امن و امان کا نظام قائم کیا۔ گویا کہ اس تیئیس سالہ دورِ نبوت میں آپؐ نے جو کام کیا ہے، اس پر پوری دنیا متفق ہے کہ وہ ایک ہمہ گیر اور عالم گیر انقلاب تھا۔ اس طرح آپؐ نے دینِ حق کا انسانیت دوست نظام غالب کیا۔ جب تک اس غلبے کا سسٹم، نظریہ، سوچ معلوم نہ ہو، اس کا عملی کردار، اس کی عملی نوعیت جب تک معلوم نہ ہو تو سوسائٹی میں انسانیت دوست سسٹم قائم کرنا ممکن نہیں۔

اسلام کی خصوصیت حنیفیت ہے: فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ (95:3) قرآن نے ہمیں حکم دیا کہ تم ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کی اتباع کرو۔ حنیفیت کسے کہتے ہیں کہ جو فرد نظریاتی اور فکری انتشار سے نکل کر اپنے کام، اپنے کردار، اپنے نظریے اور فکر کے حوالے سے اللہ کی طرف یکسو ہو جائے۔ کوئی سوچ، کوئی خیال اس کو اپنے فکر اور نظریے سے منحرف نہ کرے۔ کسی قسم کی عملی ژولیدگی سے اس کے قدم نہ ڈگمگائیں۔

www.rahimia.org

موجودہ زوال کے اسباب

آج کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم نظریاتی بحران کا شکار ہیں۔ فکری ژولیدگی میں مبتلا ہیں۔ ہمیں راستہ نہیں مل رہا کہ کس سوچ اور فکر کے تحت ہم کام کریں۔ آج ایک رہنما اور لیڈر ایک نظریہ اور فکر بیان کرتا ہے تو ہم جھنڈا لے کر اُس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ آگے جا کے پتہ چلتا ہے کہ اسلام تو آیا نہیں ''اسلام آباد'' آ گیا اور وہاں وہ کرسی پر براجمان ہوتا ہے۔ اسلام کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اپنے ذاتی خواہشات اور مفادات اٹھاتا ہے۔ ہم پانچ دس سال ایک جگہ دھکے کھانے کے بعد کسی دوسری پارٹی کا رُخ کرتے ہیں۔ وہاں سے ایک اور نیا نظریہ ملتا ہے۔ اس نظریے کے مطابق جھنڈا اُٹھا کے چل پڑتے ہیں۔ اور پھر وہی فعل جو پہلے ہوا ہے، دوسری پارٹی اور گروہ کی طرف سے سامنے آتا ہے۔ کبھی ہمیں ایک فرقے سے لڑایا گیا، کبھی دوسرے سے لڑایا جاتا ہے۔ کبھی تیسرے سے لڑایا جاتا ہے۔ دنیا کے سارے فرقوں اور گروہوں سے ہم نے لڑائیاں پیدا کرلیں اور نتیجہ ڈھاک کے تین پات۔ یہودیوں کے خلاف بھی نفرت ہے۔ عیسائیوں کے خلاف بھی نفرت ہے۔ ہندوؤں کے خلاف بھی کہ یہود و ہنود کی سازشیں ہیں۔ مسلمانوں میں بھی فلاں فرقہ کافر ہے۔ جو نہ مانے وہ بھی کافر۔ اور جو یہ بھی عقیدہ رکھے وہ بھی کافر ہے۔ اس سے بھی لڑائی۔ اگر ہم ایسی ژولیدگی کی حالت میں ہیں تو آپ بتلائیں کہ یکسوئی اور حنیفیت کہاں ہے؟ نہ نظریہ اور فکر میں، نہ عمل اور کردار میں۔

ایک گروہ ہے، جو مذہب کے نام پر چند اعمال کا دعوے دار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہی ''کشتی نوح'' ہے۔ اس پر جو سوار ہوگا، وہ جنت میں جائے گا۔ اور جو اس کشتی نوح سے باہر رہا، ڈوب جائے گا، غرق ہوجائے گا۔ اس کے نزدیک سیاست، معیشت، سماج، تہذیب، کلچر، تاریخ، فلسفہ سب دنیاداری ہے۔ چند اعمال و وظائف، چند رسومات اس کا کل اثاثہ ہیں اور اس کشتی میں بیٹھ کر وہ دنیا کے تمام انسانوں کو دعوتِ اسلام دینا چاہتا ہے۔

دوسرا گروہ ہے جو سیاست اور معیشت کے نام پر دنیا بھر میں اسلام کا دعوے دار ہے۔ اسلامی جمہوریۂ پاکستان کا نعرہ لگاتا ہے، اسلام زندہ باد کے نعرے لگائے گا، لیکن اس کی سوچ اور فکر یا تو سرمایہ دارانہ نظام کی اسیر ہے یا سوشلسٹ نظریات و افکار کی جگالی ہے۔ اس کا اپنا دینی نظریہ اور اپنا فکر، اس کی اپنی سوچ غائب ہے۔ مفاد پرستی اس پر غالب ہے۔ سرمایہ پرستی، انسانیت دشمنی، جو سوسائٹی کو یرغمال بناتی ہے، وہ اس کا آلہ کار ہے۔ جماعتیں اور گروہ ہیں، اور انتشار کا شکار ہیں۔ مسلمان جس کا نظریہ، نظریۂ انسانیت تھا کہ وہ بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب تمام انسانوں کے لیے کردار ادا کرے گا، آج اس کا نظریہ فرقہ واریت کا بن گیا ہے۔ پہلے مسلم اور کافر کی جنگ، اور پھر جب مسلمان ایک جگہ اکٹھے ہوگئے اور لڑنے کے لیے کوئی غیر مسلم نہیں ملا تو اب مسلمانوں کے فرقوں سے جنگ ہے۔ اور اگر اس سے فراغت ہوئی تو پھر سندھی، پنجابی، پختون، مہاجر کی جنگ ہے۔ جنگ چاہیے، لڑائی چاہیے، بس! اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ آج یہ ہمارے زوال کا سب سے بنیادی سبب ہے کہ ہم فکری انتشار کا شکار ہیں۔

زوال سے نکلنے کا راستہ

یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ دین اسلام کا بنیادی نظریہ، نظریۂ انسانیت ہے، نظریۂ فرقہ واریت نہیں۔ آج مسلمان پر چھائی ہوئی ژولیدگیٔ فکر کا بنیادی سبب نظریاتی بنیادوں پر فرقہ واریت اور جھگڑے ہیں، لڑائی ہے۔ جب کہ اس کے لیے انسانیت کا نظریہ رکھنا ضروری تھا۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو ''انسانیت کا امام'' کہا گیا، کل انسانیت کا امام، اس امام کی اتباع تبھی ہوگی جب آپ تمام انسانیت کے لیے اصول اور ضابطے، اس کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنے والے بنیں۔ امام کسے کہتے ہیں؟ وہ جو انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے لیے کلی ضابطے اور قاعدے بناتا ہے۔

جب دین ہر انسان کے لیے ہے تو انسانیت کے بنیادی شعبے کون سے ہیں؟ جس پر انسانیت کا سماجی ڈھانچہ استوار ہے۔ فکر و فلسفہ، سیاسی اور معاشی نظام' یہ وہ تین بنیادی شعبے ہیں، جن پر انسانیت کا سماجی ڈھانچہ قائم ہے۔ انسانی معاشروں کی تاریخ دیکھ لیجیے' وہ انھیں تین اداروں سے عبارت رہے ہیں۔ ایک مسلمان ان تینوں کے بارے میں ایک واضح اور قطعی نظریۂ انسانیت رکھتا ہے۔ یعنی سیاست تمام انسانوں کو امن فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے ہوگی تو انسانی ہے، ورنہ نہیں۔ اور اگر سیاست فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھ جائے، اس کا مقصد اور ہدف مخصوص انسانوں کی جان مال اور عزت کا تحفظ ہو تو وہ سیاست نہیں۔ وہ سیاست کے نام پر غلاظت ہے۔ کیوں کہ سیاست ہمیشہ غیر فرقہ وارانہ ہوتی ہے۔ امن ہر انسان کی جان کے لیے چاہیے ہوتا ہے۔ یہ امن ناقابل تقسیم اکائی ہے۔ کسی جماعت کا نظریہ تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب امن کا ہوگا تو انسانیت کے لیے مفید ہوگا۔ اگر ایسا نہیں تو وہ سیاست نہیں۔ انبیائے بنی اسرائیلؑ کا بنیادی ہدف بھی اپنی اپنی اقوام کی سیاست ہے۔ سیاست کا ہدف ایک ہی ہوتا ہے کہ وہ انسانوں کی جان مال عزت آبرو کا تحفظ کرے اور جو لوگ انسانوں کی جان، مال عزت آبرو کو توڑنے والے ہوں، ظالم، طاغوت، ان کا مقابلہ کرے۔

اسی طرح ایک مسلمان کا معاشی نظریہ اور سوچ' تمام انسانوں کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب وسائل معاش کی منصفانہ تقسیم کا ہونا چاہیے۔ انسانی بنیادوں پر انسانوں کے معاشی حقوق پورے کرنا مسلمان جماعت کا فریضہ ہے۔

اسلام انسانوں کے نفع کے لیے ہے، ان کے نقصان کے لیے نہیں ہے۔ انسان دشمنی کے حوالے سے نظریہ رکھنے کا بڑا غلط تصور پیدا کر دیا گیا ہے۔ یاد رکھو! اسلام انسانیت کے نفع کے لیے آیا ہے۔ اور پھر نفع کی بات انسانی اجتماع کے نقطہ نظر سے ہوگی تو صحیح نتیجہ نکلے گا۔ اور اگر طبقاتی، گروہی مفادات کے لیے نظریات و افکار کی بات ہوگی تو وہ انسانی نہیں، بلکہ طاغوتی نظریے کے پھیلاؤ کی بات ہوگی، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی طرح اپنے فکر و فلسفے کو بھی کل انسانیت کی بھلائی کے لیے استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ ایسا فکر و فلسفہ جو گروہیت کو فروغ دے، غلط ہے۔

www.rahimia.org

بچوں کا کالم — چوہدری افضل حق رحمۃ اللہ علیہ

سب سے بہتر وہ ہے، جس سے دوسروں کا بھلا ہو

(چوہدری افضل حق آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ اپنی قوم کی تعلیم و تربیت اور اَخلاقی معیار کی بلندی ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہی۔ ذیل میں ان کے اُن خطوط کی تلخیص شائع کی جارہی ہے، جو اُنھوں نے 1939ء میں راولپنڈی جیل سے اپنے بچوں کے نام لکھے۔ دراصل ان کے مخاطب قوم کے ہر دور کے نونہال ہیں۔ مدیر)

بلقیس بی بی۔ السلام علیکم

تمھارے گزشتہ خطوں میں ایک غلطی کا تکرار دیکھا۔ بیٹی! السلام علیکم کو تم ہمیشہ السلام وعلیکم لکھتی ہو۔ السلام اور علیکم کے درمیان واؤ نہیں ہونی چاہیے۔ السلام علیکم کے معنی تم پر سلامتی ہو۔ السلام وعلیکم کے معنی ہوئے سلامتی اور تم پر۔ بعض محاورے ادبی لحاظ سے غلط ہوتے ہیں، مگر وہ لوگوں میں بعض وجوہات سے مقبول ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو نہ صرف درست سمجھا جاتا ہے، بلکہ فصیح یعنی بہت درست سمجھا جاتا ہے۔ لیکن السلام و علیکم لکھنا غلط بھی ہے اور غیر مقبول بھی ہے۔ اس لیے یوں لکھنا چھوڑ دو۔

پچھلے خط میں مَیں نے دیہاتی زندگی کا ایک خوب صورت پہلو پیش کیا تھا۔ اب اس تصویر کا تاریک رُخ بھی پورے طور پر دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔ ہم سب انسان ایک آدم کی اولاد اور سب برابر کے بھائی ہیں، لیکن اپنے گاؤں میں دیکھو غریب سے غریب راجپوت اپنے آپ کو راجہ خیال کر کے غیر راجپوت قوموں پر حکومت کا حکم سمجھتا ہے۔ گھروں میں مجال کیا کہ کوئی غیر راجپوت بی بی بہن آئے اور راجپوت عورتوں کے برابر بیٹھ جائے۔ شہروں میں خدا کا شکر ہے کہ یہ صورت نہیں، لیکن گاؤں میں حالت دگرگوں ہے۔ گھر میں عورتیں تو پھر خدا کا ہزار خوف کرتی ہیں، مگر باہر مرد خدا کی پناہ دوسری قوم کو غلام سمجھتے ہیں۔ اُن سے اس سختی سے سلوک کرتے ہیں کہ دشمن سے دشمن بھی دوسرے ملکوں میں ایسا نہیں کرتے۔ نہ قرآن کی رُو سے، نہ معمولی اَخلاق کی رُو سے کسی کو یہ حق ہے کہ وہ دوسرے کو اپنے سے کم سمجھے یا کسی طور طریقے سے اپنے آپ کو اَوروں سے اعلیٰ سمجھے۔

ہندوستان اور عالمِ اسلام کی غلامی اور بدنصیبی کی یہ بھی وجہ ہے کہ لوگ قبیلوں اور قوموں میں بٹ گئے ہیں۔ ہندوستان میں متمول خاندانوں کے لوگوں نے دوسروں کو رذیل اور کمین سمجھ رکھا ہے اور سرحد کے پار مسلمان قبیلے قبیلوں کے اسی طرح دشمن ہیں، جس طرح رسول کریمؐ کے وقت میں عرب کے لوگ تھے۔ اور بات بات پر ایک دوسرے کا خون بہانا معمولی بات سمجھتے تھے۔ ہمارے نبیؐ نے اُمت میں یہ ساری تفریق مٹادی۔ سب کو برابر کا بھائی بنا دیا اور کہہ دیا کہ تم میں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ نہیں۔ تم سب اولادِ آدمؑ ہو اور آدمؑ مٹی کا پُتلا تھا۔ قرآن کا بھی یہی فرمان ہے کہ خدا کے نزدیک بڑا وہی ہے، جو تم میں سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ رسولِ کریمؐ نے یہ بھی کہا کہ انسانوں میں سے وہ انسان اچھا ہے، جس کے وجود سے دوسرے انسانوں کو بہت فائدہ اور نفع پہنچے۔ اسی لیے دینِ اسلام کے بزرگوں نے یہ اصول باندھا ہے کہ خدا اپنے حق کو بخش دے گا، لیکن جس آدمی نے کسی آدمی پر ظلم کیا ہوگا، اس کی بخشش محال ہے، جب تک مظلوم خود معافی نہ دے۔

خواتین کا کالم — حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

خواتین کو خطاب

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿34:33﴾

(یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمھارے گھروں میں اللہ کی باتیں اور عقل مندی کی۔ بے شک اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار)

میرے عزیز بھائیو اور بہنو! اس وقت بڑا مقصد یہ ہے کہ عورتوں کے بارے میں کچھ بیان کیا جائے۔ مرد تو جگہ جگہ سنتے ہیں، مگر عورتوں کو موقع نہیں ملتا۔ ضرورت ہے کہ عورتوں کے اجتماعات کر کے انھیں احکام بتلائے جائیں۔

میری بہنوں کے دل میں عام طور پر یہ خیال جم گیا ہے کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ گھر بار کا کام کرلیا، نماز پڑھ لی، بچوں کی پرورش کی، ذمہ داری ختم ہوگئی۔ کمالات حاصل کرنا عورتوں کا کام نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے درجات مردوں کے لیے رکھ دیے، اتنے ہی درجات عورتوں کے لیے بھی رکھ دیے گئے ہیں۔ عورتیں بڑی سے بڑی عالمہ، ادیبہ بن سکتی ہیں۔ عورتوں میں بڑی بڑی شاعرہ، ادیبہ، محدثہ گزریں۔ ازواجِ مطہرات میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وحی کا آدھا علم عائشہؓ سے حاصل کرو اور آدھا باقی صحابہ کرامؓ سے۔ بڑے بڑے صحابہؓ ان سے مسائل پوچھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا احسان ہے اُمت پر کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر کے بہت سے علوم کا دروازہ کھول دیا۔ ایک عورت نے نبی کی دل داری کی۔ یہ تو ہیں طبقۂ اولیٰ کی عورتیں، بعد کے دور میں بھی بڑی بڑی باکمال عورتیں اُمت میں گزریں۔ حضرت امام جعفرؒ کی بیٹی حدیث لکھتی تھیں۔

عورت دین کی طرف بڑھی تو اونچا مقام حاصل کیا۔ دنیا کی طرف بڑھی تو اونچا مقام حاصل کیا۔ بہت سے عورتوں نے ایم اے کیا۔ بہت سی عورتیں حکمران بنیں۔ عورتیں علم و عمل میں اگر کمال حاصل کرنا چاہتی ہیں، کرسکتی ہیں۔ بارہ گھنٹے میں ایک دو گھنٹے قرآن پڑھنے یا حدیث پڑھنے سے کیا عورت حافظ یا محدث نہیں بن سکتی؟ کم سے کم ضروریاتِ دین کا علم تو حاصل کرنا چاہیے۔ کم سے کم خاوند کا حق، اولاد کا حق، گھر کے دوسرے افراد کا حق تو پہچانیں۔ اسلام نام ہے حقوق کی ادائیگی کا۔ روزانہ ایک مسئلہ یاد کرنے سے بھی سال بھر میں بہت سے مسائل یاد ہو جائیں گے۔

بچوں کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ ماں علم سے خالی ہوگی تو بچے بھی علم سے عاری ہوں گے۔ میرے والد بزرگوار نے کہا ہے: بسم اللہ کر کے گھر کا دروازہ کھولو۔ اللہ تعالیٰ کی حفاظت شامل ہوگی۔ ہم نے پانی پیا، برتن ڈھانکنا بھول گئے۔ والد صاحبؒ نے فرمایا: رات کو بہت سی بیماریاں آسمان سے اُترتی ہیں جو برتن کھلا رہتا ہے، اس میں بیماری اُترتی ہے۔ مختلف دعائیں مختلف اوقات کی جو حدیث میں ہیں، ان پر پابندی کی جائے۔ اگر بچوں کو دعائیں سکھادی جائیں تو اس سے اسلامی زندگی بنے گی۔ (بقیہ ص 11 پر)

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

اکابر کی باطنی امراض کے علاج میں مہارت

ولی اللّٰہی اکابر جہاں علم ظاہر کے امام تھے، وہاں علم باطن میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ بلاشبہ انسانی ملکات واَخلاق میں پیدا ہونے والے روحانی امراض کے علاج میں طبیبِ الٰہی تھے۔ اس سلسلے میں درجِ ذیل حکایت شاہد ہے۔

(امیر الروایات حضرت) خاں صاحب نے فرمایا کہ خورجہ میں ایک شخص تھے حاجی محمد اسحاق خان۔ نہایت پابندِ صوم وصلوٰۃ اور ذاکر وشاغل تھے۔ یہ صاحب حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے بیعت تھے۔ اتفاق سے ایک مرتبہ دو تین روز مسجد میں نہیں آئے۔ میں سمجھا کہ شاید کچھ بیمار ہوگئے ہیں۔ اس لیے میں ان کی عیادت کے لیے گیا۔ جا کر دیکھا تو ایک کوٹھڑی میں چھپے بیٹھے تھے اور کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی۔

میں نے پوچھا کہ کیا حالت ہے؟ تم کئی روز سے نماز کے لیے نہیں آئے؟

انھوں نے کہا: اچھا ہوں، مگر کوئی چار روز سے ایک سخت عذاب میں مبتلا ہوں۔ وہ یہ کہ جب کوئی گاڑی نکلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے اوپر چل رہی ہے اور جب بیلوں کے سانٹا مارا جاتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میرے لگتا ہے۔ اور جب کتوں میں آپس میں لڑائی ہوتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے کاٹتے ہیں۔ جب چکی چلتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ گیہوں کے بدلے مَیں پس رہا ہوں۔ لڑکے بھاگتے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ مجھ پر دوڑتے ہیں۔ اس لیے سخت تکلیف میں ہوں اور باہر نہیں نکل سکتا۔ اور نہ چکی کی آواز سن سکتا ہوں۔ اسی لیے چھپا بیٹھا ہوں اور میں نے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی ہے۔

میں نے کہا کہ: اپنی اس حالت کی مولانا نانوتویؒ کو اطلاع دو!

انھوں نے کہا کہ: تم لکھ دو۔

میں نے کہا کہ: تم لکھ کر مجھے دے دو! میں اپنے خط میں بھیج دوں گا۔

انھوں نے اپنی حالت لکھ کر مجھے دے دی اور میں نے اپنے عریضے کے ساتھ اس کو مولانا نانوتویؒ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

مولانا (محمد قاسم نانوتویؒ) اس زمانے میں دہلی میں تھے۔ مولانا نے جواب دیا کہ: اس کا جواب تحریر سے نہیں ہوسکتا۔ تم ان سے کہہ دو کہ وہ میرے پاس چلے آئیں۔ چناں چہ یہ گئے۔ مولانا نے کچھ نہیں کیا۔ صرف دو اشغال (وظائفِ قلبیہ) کے اوقات بدل دیے۔ یہ شخص دوسرے ہی دن اچھے ہوگئے۔

دیکھئے! حضرت الامام مولانا نانوتویؒ روحانی امراض کے اسباب وعلل اور علاج کی وجوہ پر کس قدر دسترس رکھتے ہیں کہ اپنے مرید باصفا کے حالات پڑھ کر فوراً مرض پہچان لیا اور جو علاج تجویز کیا، اس سے فوراً اس کے مرض کا ازالہ ہوگیا۔

وسیم اعجاز، کراچی

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

برعظیم پاک وہند میں دین اسلام کی ترویج اور عصر حاضر کے مطابق اس سے رہنمائی میں ولی اللّٰہی خانوادے کا کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین دہلویؒ 13/ ذی الحجہ 1163ھ/10/ نومبر 1750ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تعلیم وتربیت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی نگرانی میں ہوئی۔ ان کے اساتذہ میں شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شیخ محمد عاشق پھلتیؒ ہیں۔

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جب ضعف اور کمزوری کی وجہ سے درس وتدریس نہ دے سکے تو ان حالات میں یہ ذمہ داری شاہ رفیع الدین دہلویؒ کو سونپ دی گئی۔ انھوں نے امور کی انجام دہی کے لیے اوقاتِ کار کا نظام بنایا، تاکہ تمام امور کی انجام دہی میں عدل سے کام لیا جاسکے۔ درس تدریس میں کمالِ مہارت رکھتے تھے۔ خاص طور پر ریاضی میں ماہر خیال کیے جاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بھی اپنے ملفوظات میں ان کی بہت تعریف بیان کی ہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ: ''اگرچہ شاہ رفیع الدین کو تمام علوم میں مہارت حاصل ہے، لیکن علم ریاضی میں ان کی کوئی مثال نہیں۔'' مزید فرمایا کہ: ''وہ نسباً میرے حقیقی بھائی ہیں اور فن وادب میں میرے شریک ہیں۔ وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، مگر فن وحکمت میں میرے برابر ہیں۔'' انھوں نے اپنے لیے درس وتدریس کے سوا کوئی مشغلہ پسند نہ فرمایا۔

شاہ صاحبؒ کے دور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ عوام وخواص کو قرآنِ حکیم کی تعلیمات سے بہرہ ور کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے 1790ء میں قرآنِ حکیم کا اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ اردو زبان اس دور میں بالکل ابتدائی مرحلے میں تھی۔ اس کے کوئی اصول وقواعد مرتب شدہ نہ تھے۔ ان حالات میں قرآنِ حکیم کو عام فہم انداز میں ترجمہ کرنا بہت مشکل کام تھا۔ عربی زبان میں شعر بھی کہتے تھے۔ حرص اور لالچ سے اس قدر نفرت فرماتے تھے کہ ان کی زندگی میں شاہی دربار سے بیش قیمتی نذرانے آتے، آپ تمام چیزیں غربا ومساکین میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ عربی اور اُردو دونوں زبانوں میں ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ اردو ترجمہ قرآنِ حکیم اور ان کے دروس القرآن پر مشتمل ''تفسیرِ رفیعی'' کے علاوہ راہِ نجات، رسالہ اذان ونماز، شرح رُباعیات کے علاوہ متعدد رسائل شامل ہیں۔

1818ء میں دہلی میں طاعون کی وبا پھیلی۔ شاہ رفیع الدینؒ اس کی زد میں آگئے اور 6/شوال المکرم 1233ھ/ 9/اگست 1818ء میں انتقال فرما گئے۔ جب شاہ رفیع الدینؒ کا جنازہ اٹھا تو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے باوجود کمزور اور نابینا ہونے کے جنازے کو ہاتھ لگانے اور کندھا دینے کی کوشش کی۔ یہ منظر بڑا دردناک تھا۔ ان کی تدفین آبائی قبرستان مہندیاں میں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پائیں میں کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ولی اللّٰہی خانوادے کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

رفتارِ کار۔۔۔۔ رپورٹ: پروفیسر محمد ہاشم فاروق، فیصل آباد

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ کا دورۂ فیصل آباد

حضرت اقدس مولانا شاہ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ 24، 25 رمئی 2015ء کو دو روزہ دورے پر فیصل آباد تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ اس دورے میں صدر ادارہ جناب مفتی عبدالمتین نعمانی بھی تھے۔ 24 رمئی بروز اتوار FM-90 پر حضرت آزاد رائے پوری کا لیکچر ''اسلام میں بنیادی انسانی حقوق کا تصور'' کے عنوان سے on-air ہوا۔ لیکچر کے بعد براہِ راست ٹیلیفون کالز کے ذریعے سے سوال جواب کا سیشن بھی ہوا۔ نمازِ عصر سے مغرب کے دوران خواتین کے لیے درسِ قرآن کا اہتمام کیا گیا، جس میں حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے درس ارشاد فرمایا۔

25 رمئی بروز سوموار کو شعبۂ فزکس اور Office of the Senior Tutor زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے زیر اہتمام ''سیرتِ نبوی اور عصر حاضر کے تقاضے'' کے عنوان سے سیمینار کا انعقاد کیا گیا، جس میں سینئر فیکلٹی ممبرز، اساتذہ اور 1500 سے زائد طلبا و طالبات نے شرکت کی۔ دورانِ سیمینار یونیورسٹی کی تمام کلاسز off کروادی گئی تھیں۔ سیمینار کے کوآرڈینیٹر شعبۂ فزکس کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر یاسر جمیل تھے۔ جب کہ زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے سینئر ٹیوٹر جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اطہر جاوید نے سیمینار کی صدارت کی۔ جب کہ اسٹیج پر مہمانِ خصوصی حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ اور پروفیسر طاہر صدیقی ایسوسی ایٹ سینئر ٹیوٹر بھی موجود تھے۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض راقم سطور محمد ہاشم فاروق نے سرانجام دیے۔ حضرت آزاد رائے پوری، مفتی عبدالمتین نعمانی صدر ادارہ رحیمیہ اور ڈاکٹر محمد جہانگیر ریجنل کوآرڈینیٹر ادارہ رحیمیہ کے ہمراہ جب تشریف لائے تو جناب ڈاکٹر یاسر جمیل اور جناب ڈاکٹر محمد اطہر جاوید نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا۔

موضوع پر خطاب کرتے ہوئے حضرت آزاد رائے پوری نے فرمایا: ''دنیا کی ہر زندہ قوم اپنے رہنماؤں کی سیرت اور سوانح سے اپنی قومی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے تمام مراحل میں رہنمائی لیتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات، وہ ذاتِ گرامی ہے، جو کسی ایک قوم، کسی ایک نسل یا کسی ایک خطے کی رہنما نہیں، بلکہ کل انسانیت کی رہنما ہے۔ انسانیت آپؐ سے اپنی انسانی زندگی کی تشکیل میں رہنمائی حاصل کرتی ہے۔''

حضرت آزاد رائے پوری نے اپنے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا: ''بطور مسلمان ہم آپؐ کو امام الانبیاؑ مانتے ہیں۔ آپؐ کی رسالت و نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی سے محبت و عشق کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ یہ محبت و عشق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم نہ صرف اپنی انفرادی زندگی، بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی آپؐ سے رہنمائی حاصل کریں۔ آج کے زمانے میں یہ ضرورت دوچند ہو جاتی ہے کہ ہم مسلمان، بالخصوص اس خطے میں بسنے والے مسلمان بہت زیادہ مشکلات کا شکار ہیں۔ اس بحران سے نکلنے کے لیے آج نبی کریمؐ کی سیرت کا مطالعہ اور اس سے رہنمائی ناگزیر ہے۔''

مزید برآں حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے اپنے خطاب کے دوران ہندوستان میں برطانوی تسلط نے جو اثرات مرتب کیے، اس کا تفصیل سے جائزہ لیا اور Divide & Rule کی بنیاد پر جو سیاست اس خطے پر مسلط کی گئی، اس نے معاشرے میں فرقہ واریت کو فروغ دینے، انسانیت دشمنی کے تصور اور خیالات کو سوسائٹی پر مسلط کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ جس کا نتیجہ آج معاشرے کی تباہی اور بربادی کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے اپنے خطاب کے آخر میں اس افسوس ناک حقیقت کی طرف بھی شرکا کی توجہ مبذول کروائی کہ ''کیا وجہ ہے کہ آج ہم آپؐ کا نام لیوا ہونے کے باوجود اپنے مسائل کے حل کے لیے یورپ کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں۔ بڑے دکھ، کرب، تکلیف اور افسوس کا مقام ہے کہ آج ہماری یونیورسٹیاں، ہمارے کالجز، ہمارے مدارس، ہماری خانقاہیں، ہمارے مذہبی تعلیمی ادارے اسلام کو بطور سسٹم پڑھنے اور پڑھانے کی روایت سے عاری ہیں۔ ہماری سوسائٹی میں رائج 15 نظامِ تعلیم انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ آج ہمارے مسائل کا حل بجز اس کے کوئی نہیں کہ ہم آپؐ کی سیرت کا مطالعہ بطورِ سسٹم کے کریں۔''

حضرت آزاد رائے پوری نے جب اپنا لیکچر مکمل فرمایا تو اسٹیج سمیت جملہ سامعین نے اپنی اپنی نشستوں پر کھڑے ہو کر بھرپور تالیوں کی گونج میں حضرت کے لیکچر کو سراہا۔ جس کے بعد طلبا اور طالبات کی جانب سے تحریری صورت میں کثیر تعداد میں سوالات پوچھے گئے۔ جن میں دورِ حاضر کے سلگتے ہوئے مسائل پر رہنمائی لی گئی، جس سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ ہماری نوجوان نسل اپنے مسائل کے حل کے لیے سنجیدہ ہے۔

حضرت اقدس کے خطاب کے بعد پرنسپل آفیسر پروفیسر ڈاکٹر محمد یونس نے حضرت آزاد رائے پوری کا شکریہ ادا کیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ مستقبل میں بھی ہم اس قسم کے پروگرامز کا انعقاد کریں گے اور امید ہے کہ حضرت اقدس ہمارے لیے وقت نکالیں گے۔ اس کے بعد یونیورسٹی کی طرف سے حضرت اقدس کی خدمت میں اعزازی شیلڈ (Shield of Onour) پیش کی گئی۔

اس کے بعد حضرت آزاد رائے پوری اور باقی مہمانانِ گرامی کے لیے ریفریشمنٹ کا اہتمام کیا گیا تھا، جس کے بعد حضرت اقدس رائے پوری راولپنڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔

یاد رہے کہ پروگرام کا دعوت نامہ یونیورسٹی کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب پروفیسر ڈاکٹر اقرار احمد خان کو ایک میٹنگ کے سلسلے میں بیرونِ ملک جانا پڑا، جس کی وجہ سے وہ پروگرام میں شریک نہ ہو سکے۔ پروگرام کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد کے ریڈیو کے ذریعے براہِ راست براڈ کاسٹ کیا گیا، جب کہ اس سیمینار کا دعوت نامہ یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر بھی موجود تھا۔

www.rahimia.org

تعزیتی تأثرات

داؤد خالد، سعودی عرب

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری قدس سرہٗ السعید
ایک تاریخ ساز شخصیت

تاریخ انسانی زندگی کا وہ شعبہ ہے، جو انسانوں کو حال کا تجزیہ کرنے اور مستقبل کی تعمیر کی بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشروں میں اسی شعبے کے ساتھ سب سے زیادہ بے رحمانہ سلوک اختیار کیا گیا ہے۔ جتنا اس شعبے کی سائنسی اہمیت کے پیش نظر اس سے سیکھنے اور سماجی ارتقا کے لیے اساسی خدوخال تلاش کرنے کی ضرورت تھی، اتنا ہی اسے جامد اور غیر مؤثر قرار دے کر اسے طاقِ نسیاں کی زینت بنا دیا گیا۔

مجھے بھی ہر ایک مذہبی انسان کی طرح اپنی مذہبی آئیڈیالوجی اور مذہبی تاریخ کے ساتھ والہانہ لگاؤ اور اُنس تھا، لیکن جو تاریخ بے ترتیب شکل میں مجھے متعارف کروائی گئی یا ہمارے مذہبی لٹریچر نے جس سے مجھے ہم آہنگ کیا، اُس نے میرے اندر بہت سے سوالات ابھارے تھے۔ یہ سولات عقیدے اور ایمان کی عمارت تک کو لرزا دیتے تھے۔ ان سوالات سے چشم پوشی کر کے آگے بڑھ تو جاتے تھے، لیکن بہرحال ایک ارتعاش اور بے یقینی کی کیفیت رہتی تھی۔

پھر مجھے اپنے ایک دوست کے ذریعے کچھ ایسے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، جن کی باتیں راویتی طرزِ فکر سے ذرا ہٹ کر تھیں۔ اُن میں کچھ انوکھا پن تھا۔ اُن کے ساتھ پہلے پہل میرا رویہ ناقدانہ رہا اور اپنے دوست سے بھی بحث ہوتی کہ یہ کون سے جہان کی باتیں کرتے ہیں اور کہاں کے ہوائی قلعے تعمیر کرتے رہتے ہیں؟ لیکن بہرحال دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔

آخر ایک دن تو حد ہی ہوگئی۔ میں نے اپنے اندر عقیدے اور نظریے کی جو طاقت ور فصیل قائم کر رکھی تھی، جو مذہبی کٹر پن اور غیر مقلدیت کی روایتی سختی جو میرے گھر کے ماحول سے مجھے ملی تھی، وہ سب آج ریت کی دیوار ثابت ہوئی تھی اور میں اپنے آپ کو بالکل ننگ محسوس کر رہا تھا۔ دماغ میں کچھ دیر ایک کشمکش اور بحث سی چھڑی ضرور تھی، لیکن دل نے تو جیسے وہیں ڈھیری ڈھا کر چوکڑی مار لی تھی۔ جی ہاں! یہ اُس صاحبِ کمال سے میری پہلی ملاقات تھی۔ بورے والا میں حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی مدظلہٗ کے گھر پر میرا دوست مجھے ایک میٹنگ میں حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ملوانے لے گیا تھا۔ اِک نظر کیا پڑی تھی، گویا میرے اندر کچھ بدل سا گیا تھا۔ اُن کی شخصیت کے سحر نے پاؤں جکڑ لیے تھے۔ بس سر جھکائے ہوئے اُن کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا، لیکن ایسے لگ رہا تھا، جیسے اندر کوئی دھماکا سا ہوا ہے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ کچھ پتہ نہیں کتنا ٹائم گزرا، کب ساری مجلس برخواست ہوئی اور میں وہیں بیٹھا اُن کی مٹھاس بھری باتوں کی چاشنی کا سرور لے رہا تھا۔ تب میرے دوست نے میرا بازو پکڑا اور حضرت جیؒ کے سامنے لے گیا اور میرا تعارف کروایا۔ حضرت جیؒ نے پکڑ کر سینے سے لگایا۔ یوں لگا جیسے سارے دَرد دُور ہو گئے ہوں۔

میں اس کے بعد کیا تھا، جب بھی کوئی گرانی طبیعت میں محسوس ہوتی تو حضرتؒ کی مجلس میں جا بیٹھتا۔ کبھی زبان سے کسی پریشانی کو بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ بس اُن کی نظر سے محسوس ہو جاتا کہ انھوں نے پریشانی پڑھ لی اور اضمحلال سب رفو ہو جاتا۔

اُن کی جلوت بھی پائی جب ہزاروں کی توجہ کا مرکز ہیں، لیکن انکساری اور عجز ایسا کہ مثال دینا محال ہے۔ خلوت میں بھی دیکھا جب کارکنوں کے چھوٹے چھوٹے دُکھ یاد کر کے دکھی ہو رہے ہوتے اور اُن کا مداوا کرنے کے لیے تڑپ رہے ہوتے۔ مجلس میں تو سب احبابِ مجلس سمجھ رہے ہیں کہ حضرت سب سے زیادہ میری طرف متوجہ ہیں۔ اُن کی نظرِ کمال مجلس میں بدن میں خون کی روانی کی طرح دوڑتی تھی۔ سب کو گویا توانائی اور اُمنگ حسبِ ضرورت بخشی جاتی تھی۔ شخصیت میں ایسی ہمہ جہتی، توازن اور جامعیت کہ ایک ایک پہلو تفصیلی مطالعے کا متقاضی ہے۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ کی شان گویا ع

''گفتار میں کردار اللہ کی بُرہان''

جلال اور متانت ایسی کہ سخت مخالف کو بھی سامنے آ کر بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔ کلام میں ایسی سادگی اور اپنائیت کہ بڑے بڑے فلسفے اور پیچیدہ گتھیاں سلجھتی چلی جاتیں اور سننے والوں کے دل، دماغ میں جاگزیں ہوتی جاتیں۔

صبر و استقامت کا وہ لائٹ ہاؤس جو دکھ بھرے سمندر میں اکیلا ہی ایستادہ تھا۔ روز حالات کے تھپیڑے اور مصائب کی لہریں اُس سے سر پٹختی، لیکن وہ پھر بھی بھٹکے ہوئے راہیوں کو روشنی دکھانے اور راہِ راست پر لانے کا کام خاموشی سے کرتا ہی جاتا تھا۔

تاریخ کی وہ کشمکش جو نظریات اور عقیدے میں ایقان اور انشراح کی کیفیت پیدا کرنے میں عمار بن جاتی ہے، تاریخ دانوں کے اس فریب اور مکر کو آشکار کرنے اور تاریخی شعور کو کل کی تعمیر میں بروئے کار لانے کا شعور دینے میں بھی اس صاحبِ فن کو بدرجہ اتم کمال حاصل تھا۔

اُن کی جدوجہد اور حیاتِ اطہر کی جہتیں اور کمال احاطۂ تحریر میں لانا تو شاید ممکن ہی نہیں، لیکن یہ نسل اُن کے اس ایک احسان کا بدلہ کبھی نہ چکا پائے، جو انھوں نے ہمارے ماضی میں سے کھرے اور کھوٹے کو پرکھنے کے نہ صرف اصول وضع کر کے کیا ہے، بلکہ اپنی تمام زندگی اس نسل کو سچے لوگوں کے اس تسلسل میں پرونے اور جوڑنے میں صرف کر دی۔ اور تاریخ پر پڑی گرد کو صاف کر کے باطل کے مکروہ چہرے سے نقاب اُتار کر اُس کی اصلیت سامنے لا کھڑی کر دی۔

آج ان کے مشن کا تقاضا ہے کہ آگے بڑھ کر اسی تاریخی شعور کو پروان چڑھایا جائے اور آج کی منافقت اور دجل سے اس نسل کو آگاہ کر کے ایک تعمیری معاشرے کی طرح ڈالی جائے۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

بیادحضرت اقدس رائے پوری رابعؒ — وسیم اعجاز۔کراچی

نہ تم ملتے تو کیا ہوتا؟

نہ تم ملتے تو شاید ہم خس و خاشاک ہو جاتے
ترے دَر پر نہ آتے تو زمیں کی خاک ہو جاتے

لکھوں میں سرگزشتِ دل کو کس مضمون میں لا کر
جو پڑھتے لوگ ، ممکن تھا گریباں چاک ہو جاتے

صحیح راہیں اگر ان نوجوانوں کو نہ دی ہوتیں
بہت مایوس ہو جاتے ، بڑے سفاک ہو جاتے

نگاہیں گر کبھی مقصد سے اپنے پھر گئی ہو تیں
مسیحا کھو چکے ہوتے ، اذیت ناک ہو جاتے

ولی اللّٰہی فکر و عمل کا تحفہ دیا ہم کو
کنارے لگ چکے ہوتے اگر پیراک ہو جاتے

میرے ساقی نے چاہا تو پیاسے مر نہیں سکتے
تری امداد نہ ملتی تو وحشت ناک ہو جاتے

بکھرتے قافلے کو ہے سنبھالا پیرِ خامس نے
کئی مجنون بن جاتے گریباں چاک ہو جاتے

بقیہ: خواتین کو خطاب

جو کام کریں' نیک نیتی سے کریں، تا کہ ہر کام اجر کا ذریعہ بنے۔ کھانا پکانے میں، کپڑے سینے میں، خاوند کی اطاعت کی نیت کریں۔ ہر کام نیت سے کرو تو پوری زندگی عبادت اور اطاعتِ خداوندی بن جائے گی۔ اپنے بچوں کو شروع ہی سے خدمت گزاری اور عبادتِ خداوندی پر آمادہ کریں۔ اس طرح سے قوموں کی عزت اور سربلندی ہوتی ہے۔ محض عیش اُڑانے یا گھر میں بیکار بیٹھے رہنے سے انھیں بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ دین پر چلنے کی توفیق بخشے۔ (ماخوذ از ماہنامہ ''الرشید'' لاہور اکتوبر 1983ء)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از جناب مولانا مفتی عبدالقدیر شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال ایک شخص نے قسطوں پر ایک کمرشل پلاٹ خریدا۔ جس کی قسطیں تین سال میں ادا کرنی ہیں۔ اب جب کہ وہ ایک سال کی قسطیں اتنی رقم میں ادا کر چکا ہے کہ جتنی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ تو کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی؟ محمد اشفاق، راولپنڈی

جواب جب تک کمرشل پلاٹ پر اس کی ملکیت نہیں ہوگی، اس وقت تک اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ البتہ جو رقم دے چکا ہے اور نصاب کو وہ رقم پہنچ جائے، اس کی زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

سوال اگر موبائل میں انسٹال کیا ہوا قرآن مجید کوئی شخص لیٹرین میں لے گیا یا بے وضو چھولیا تو کیا گنہ گار ہوگا؟ راؤ عثمان غنی، سرگودھا

جواب موبائل کے سافٹ ویر میں انسٹال شدہ قرآن ایک حافظ قرآن کے دماغ میں محفوظ قرآن کی طرح ایک مخفی چیز ہے، اس کو لیٹرین میں لے جانے یا بغیر وضو کے پکڑنے سے گنہ گار نہیں ہوگا۔

سوال کیا خواتین نمازِ جمعہ یا عیدین کی جماعت میں شرکت کر سکتی ہیں؟ محمد شعیب، چشتیاں

جواب خواتین پر نمازِ جمعہ یا عیدین کی نماز واجب نہیں، مگر چوں کہ یہ مسلمانوں کی نصیحت کے لیے اہم ملّی اجتماعات ہیں۔ عہدِ نبوی میں خواتین ایسے اجتماعات میں شریک ہوتی تھیں۔ چناں چہ حضرت اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ فرماتی ہیں:

''ہمیں حضورؐ نے حکم دیا کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے اجتماعات میں شرکت کے لیے بالغ عورتوں، پردہ نشین خواتین کو باہر نکالیں۔ البتہ آپؐ نے حائضہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے نماز کے مقام سے دور رہیں، لیکن بھلائی کے کاموں اور مسلمانوں کی دعوت کے اجتماع میں حاضر ہوں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہمارے میں سے کسی خاتون کے پاس بسا اوقات اوڑھنے والی کوئی چادر نہیں ہوتی۔ تو آپؐ نے فرمایا: ''اس کی بہن اپنی چادر میں سے کچھ حصہ اس کے سر پر ڈال دے۔''

(صحیح مسلم، کتاب العیدین۔ حدیث نمبر 883)

انتظامیہ مساجد کو اس کے لیے مساجد میں خصوصی علاحدہ انتظام کرنا چاہیے۔ تاکہ وہ اس اجتماعی عبادت اور وعظ و نصیحت سے مستفید ہوسکیں۔ ایسے اجتماعات میں شریک ہونے والی خواتین شرعی پردے کا اہتمام رکھیں اور اختلاط سے ہر ممکن احتراز کریں۔

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبدالقدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالقادر دین پوری (بہاولنگر)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خان)
حضرت سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
حضرت مولانا محمد اشرف انژ (حیدرآباد)
حضرت ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
حضرت حاجی محمد بلال بلوچ (قاضی احمد)
محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا عبداللہ عابد سندھی (شکارپور)
حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبدالعزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ (کوئٹہ)
محترم سید خالد ریاض بخاری (سعودی عرب)
محترم قاری محمد ایاز جدون (مانسہرہ)

پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کردیا جاتا ہے۔
ممبرشپ کی رقومات کی ترسیل بنام
''رحیمیہ لاہور'' میزان بینک قرطبہ چوک برانچ لاہور
اکاؤنٹ نمبر: 0219-0100328009 پر کریں!

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے
اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس
33/A کوئینز روڈ، لاہور سے جاری کیا۔

www.rahimia.org